رسائل و مسائل

پردہ کے متعلق چند عملی سوالات

سوال :- آپ کی کتاب "پردہ" کے مطالعہ کے بعد میں نے اور میری اہلیہ نے چند ہفتوں سے عائلی زندگی کو قوانین الٰہیہ کے مطابق بنانے کی سعی شروع کر رکھی ہے۔ مگر ہمارے اس جدید رویہ کی وجہ سے پورا خاندان بالخصوص ہمارے والدین سخت برہم ہیں اور پردہ کو شرعی حدود و ضوابط کے ساتھ اختیار کرنے پر برافروختہ ہیں۔ خیال ہوتا ہے کہ کہیں ہم ہی بعض مسائل میں غلطی پر نہ ہوں، پس تسلی کے لئے حسب ذیل امور کی وضاحت چاہتے ہیں:-

(۱) سورۂ احزاب کی یہ آیت کہ "عورتوں پر کچھ گناہ نہیں کہ وہ اپنے باپوں کے سامنے پردہ نہ کریں اور نہ اپنے بیٹوں کے سامنے .... الخ" اس سے یہ بات صاف ظاہر ہو گئی کہ آیت میں جن اعزہ کا ذکر ہے ان کے سوا عورتوں کا کسی دوسرے کے سامنے کسی بھی شکل اور حالت میں آنا (الا بہ اشد مجبوری) صریحاً گناہ ہے۔ اس معاملہ میں غیر محرم رشتہ دار اور غیر محرم اجانب بالکل برابر ہیں۔ کیا میرا یہ خیال صحیح ہے؟

(۲) کیا غیر محرم اعزہ (مثلاً چچازاد بھائی یا خالو جب خالہ زندہ ہوں) کے سامنے ہونا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کن مواقع کے لئے اور کن طریقوں کے ساتھ جائز ہے؟

(۳) اگر کسی غیر محرم رشتہ دار کے ساتھ ایک ہی مکان میں مجبوراً رہنا ہو یا کوئی غیر محرم عزیز بطور مہمان آ رہے تو ایسی حالت میں پردہ کس طرح کیا جا سکے گا؟ اسی طرح کسی قریبی عزیز کے ہاں جانے پر اگر زنانے سے بلاوا آئے تو کیا صورت اختیار کی جائے؟

(۴) اگر گھروں میں جوان ملازم کام کاج کے لئے آئیں جائیں تو سن رسیدہ عورتوں کے لئے تو جو رخصت ہے وہ مجھے معلوم ہے مگر جوان عورتیں کیا صرف یہ کہہ کر ان کے سامنے بے پردہ ہو سکتی ہیں کہ ہماری نیت پاک ہے؟

(۵) اگر خدا و رسول کے احکام کے تحت پردہ اختیار کرنے میں کسی کی والدہ حائل ہو تو اس کے حکم کو رد

کیا جا سکتا ہے یا نہیں، جبکہ اس کے پاؤں کے نیچے جنت ہے۔

(۶) کیا عورتوں کو مردوں اور عورتوں کے مشترکہ جلسوں میں نقاب اوڑھ کر تقریر کرنی جائز ہے؟ حدیث کی رو سے تو عورتوں کی آواز کا غیر محرم مردوں تک پہنچنا پسندیدہ نہیں معلوم ہوتا۔

(۷) کیا عورتیں لیڈی ڈاکٹر یا نرس یا معلمہ بن سکتی ہیں؟ جیسا کہ مسٹر جناح نے قوم کو اپیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہماری عورتیں ان سب کاموں میں حصہ لے کر گذشتہ نقصانات اور پسماندگی کی تلافی کریں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے عورتیں کیا ان مشاغل کو اختیار کر سکتی ہیں اور آیا انہیں پردہ میں رہ کر ہی انجام دینا ہوگا یا ضرورۃً پردہ سے باہر بھی آسکتی ہیں؟

(۸) کیا عورتیں چہرہ کھول کر یا نقاب کے ساتھ جہاد میں شرکت کر سکتی ہیں؟

جواب:۔ (۱) آپ نے قرآن مجید کے اصل الفاظ پر غور نہیں کیا۔ وہ آیت جس کا حوالہ آپ دے رہے ہیں، سورۂ احزاب میں نہیں ہے بلکہ سورۂ نور میں ہے اور اس میں الفاظ یہ ہیں کہ "وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا ......" یعنی بجز ان لوگوں کے اور کسی کے سامنے اپنی زینت کا اظہار نہ کریں، دوسرے لفظوں میں بناؤ، سنگھار اور آرائش کے ساتھ دوسرے لوگوں کے سامنے نہ آئیں۔ دوسری طرف گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں یہ ہدایت دی گئی کہ "يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ......" یعنی اپنی چادروں کو اپنے اوپر گھونگھٹ کے طور پر لٹکا لیا کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بالکل اجنبی لوگوں کے سامنے تو چہرہ کھولنا بھی درست نہیں ہے، رہے اعزہ واقربا تو ان میں سے جن لوگوں کا ذکر سورۂ نور والی آیت میں کیا گیا ہے صرف ان کے سامنے عورت پوری آزادی سے اپنی زینت کے ساتھ آسکتی ہے باقی دوسرے اعزہ واقربا کے سامنے زینت کے ساتھ آنا جائز نہیں۔

(۲) سامنے ہونے کے دو مطلب ہیں۔ ایک مطلب تو یہ ہے کہ اس طرح کی آزادی اور بناؤ سنگھار کے ساتھ سامنے ہونا جیسے باپ بھائی وغیرہ کے سامنے ہوا جاتا ہے، اور بے تکلف بیٹھ کر بات چیت کرنا، ہنسنا، بولنا، حتیٰ کہ تنہائی تک میں ساتھ رہنا۔ یہ چیز غیر محرم مردوں کے ساتھ جائز نہیں۔ دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ عورت اپنی زینت کو چادر وغیرہ سے چھپا کر، نیز سر کو ڈھانک کر صرف چہرے اور ہاتھ کو کسی کے سامنے ظاہر کرے، اور وہ بھی ظاہر کرنے کی غرض سے نہیں بلکہ ان ناگزیر ضرورتوں کی بنا پر ظاہر کرے جو مشترک خاندانی معاشرت میں پیش آتی ہیں، مگر آزادی کے

ساتھ بیٹھ کر خلا ملا نہ کرے، خلوت میں بھی ان کے ساتھ نہ رہے، اور صرف اس حد تک سامنے ہو کہ مثلاً ان کے سامنے سے گذر جائے یا کوئی ضروری بات ہو تو پوچھ لے یا بتا دے۔ اس حد تک غیر محرم اعزہ کے سامنے ہونے کی شرعاً اجازت ہے یا کم از کم ممانعت نہیں ہے۔ بہر حال چچا زاد بھائیوں اور خالہ زاد بھائیوں کے ساتھ جو ہنسی مذاق اور انتہائی بے تکلفی آج مسلمانوں کے گھروں میں رائج ہے اور جس طرح مسلمان لڑکیاں اس قسم کے عزیزوں کے سامنے بنی ٹھنی رہتی ہیں، شریعتِ اسلامیہ میں ان بے اعتدالیوں کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔

(۳) ایسے حالات میں اگر شریعت کی پابندی کا ارادہ دونوں طرف موجود ہو تو صحیح راہِ عمل یہ ہے کہ جب کوئی غیر محرم عزیز گھر میں آئے تو شرعی قاعدہ کے مطابق استیذان کرے (استیذان تو غیر محرم کیا، محرم مردوں کو بھی کرنا چاہیئے حتّٰی کہ بیٹوں اور بھائیوں کو بھی کم از کم گھر میں داخل ہونے سے پہلے کھنکار دینا چاہیئے یا کوئی ایسی آواز کر دینا چاہیئے کہ کوئی مرد گھر میں آرہا ہے)۔ پھر جب ایسی آواز آئے تو عورت کو چاہیئے کہ کوئی چیز اوڑھ کر اپنی زینت کو چھپالے اور ذرا اپنا رخ بدل لے یا پیٹھ موڑ لے۔ اگر بالکل ناگزیر ہو تو چہرہ اور ہاتھ غیر محرم عزیز کے سامنے ظاہر ہونے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اسی طرح بضرورت سادگی کے ساتھ بات کر لینے میں بھی کوئی ہرج نہیں۔ البتہ خلا ملا اور بے تکلفی اور ہنسی مذاق بالکل ناجائز ہے۔

(۴) ملازموں کے معاملہ میں میری تحقیق یہ ہے کہ جن ملازموں کے متعلق صاحب خانہ کی رائے یہ ہو کہ وہ "غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَۃِ" کی تعریف میں آتے ہیں (یعنی اپنے آقا کے گھر کی عورتوں کے متعلق کوئی برا خیال ان کے دل میں آنے کی توقع نہیں ہے) تو ان کو گھر میں آنے جانے اور کام کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے، لیکن جن ملازموں کے متعلق صاحب خانہ کی یہ رائے نہ ہو، ان کا گھروں میں آنا جانا جائز نہیں ہے۔ بہر حال اس معاملہ میں گھر کے قوّام کا اجتہاد معتبر ہے، بشرطیکہ وہ شریعت کی پابندی کا ارادہ رکھتا ہو، نہ کہ حدود شریعت کو بے پروائی کے ساتھ ٹال دینے والا ہو۔

(۵) ماں کے پاؤں کے نیچے جنت بے شک ہے، لیکن حکم صرف اسی ماں کا مانا جا سکتا ہے جو جنتیوں کے سے کام کرے، یعنی خدا اور رسول کے احکام کے آگے جھکنے والی ہو اور اپنے نفس یا خاندانی رواجوں پر شریعت کو قربان کر دینے والی نہ ہو۔ لیکن جو ماں اس کے برعکس صفات رکھتی ہو تو اس کی خدمت تو کی جاتی رہے گی، مگر غیر شرعی

امور میں اس کی اطاعت نہیں کی جا سکتی۔ شریعت کی پابندی سے آزاد ہو کر اور اپنے نفس یا برادری کی شریعت کو خدا کی شریعت پر ترجیح دے کر تو اس نے اپنا قدم خود جہنم کی طرف ڈال دیا، پھر آخر اس کے پاؤں کے نیچے جنت کیسے ہو سکتی ہے!

(۶) بعض حالات میں یہ چیز جائز ہے کہ عورت پردے کی پوری پابندی کے ساتھ مردوں کو خطاب کرے، لیکن بالعموم یہ جائز نہیں ہے۔ اس امر کا فیصلہ کرنا کہ کن حالات میں یہ چیز جائز ہے اور کن میں جائز نہیں، صرف ایسے شخص یا اشخاص کا کام ہے جو مواقع اور حالات کو شرعی نقطۂ نظر سے سمجھنے کی اہلیت بھی رکھتے ہوں اور شریعت کے منشا کے مطابق زندگی بسر کرنے کی نیت بھی ان میں پائی جاتی ہو۔

(۷) جناح صاحب کا حوالہ دے کر آپ نے جو سوال کیا ہے اس کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ اگر اسلامی تہذیب اُسی چیز کا نام ہے جس کی پیروی جناح صاحب خود اور ان کے اتباع میں مسلمان آج کل کر رہے ہیں تو پھر اسلامی تہذیب اور یوروپین تہذیب میں کوئی فرق نہیں ہے۔ پھر تو مسلمانوں کو وہ سب کچھ کرنا چاہیئے جو آج یورپ میں ہو رہا ہے۔ لیکن اگر اسلامی تہذیب اُس تہذیب کا نام ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی تھی تو آج کل کے میڈیکل کالجوں اور نرسنگ کی تربیت گاہوں اور ہسپتالوں میں مسلمان لڑکیوں کو بھیجنے سے لاکھ درجہ بہتر یہ ہے کہ ان کو قبروں میں دفن کر دیا جائے۔ رائج الوقت گرلز کالجوں میں جا کر تعلیم حاصل کرنے اور پھر معلمات بننے کا معاملہ بھی اس سے کچھ بہت مختلف نہیں ہے۔ البتہ اگر نظام تعلیم و تربیت ہمارے اپنے ہاتھ میں ہو اور ہم اپنے طریقہ پر لڑکیوں کو تیار کر کے ان سے تمدن کے ضروری کاموں کی خدمت لینے پر قادر ہوں تو یقیناً ہم اس کا انتظام کریں گے کہ اسلامی حدود کی پابندی کرتے ہوئے لڑکیوں کو فن طب، سرجری، قابلہ گری، نرسنگ اور تربیت اطفال کی تعلیم دیں اور ان کو دوسرے علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم و تربیت دے کر معلمات بھی بنائیں اور ان سے تمدن کی دوسری مختلف ضروری خدمات بھی ایسے طریقوں پر لیں جو اسلامی تہذیب کے مطابق ہوں۔

(۸) جنگ کے موقع پر تیمارداری، مرہم پٹی، مجاہدوں کا کھانا پکانا، اسلحہ اور رسد رسانی، پیغام رسانی وغیرہ کی خدمات انجام دینا عورتوں کے لئے جائز ہے۔ پردے کے احکام سے قبل بھی یہ خدمات عورتیں انجام دیتی تھیں اور ان احکام کے آنے کے بعد بھی دیتی رہیں اور آج بھی دے سکتی ہیں ---- لیکن یہ جواز اس شرط

کے ساتھ ہے کہ فوج اسلامی ہو، حدود اللہ کی پابند ہو اور اُن بدمعاشیوں سے پاک ہو جن میں آجکل کی فوجوں نے ناموری حاصل کر رکھی ہے۔ W.A.C کے معصوم نام سے عورتوں کو بھرتی کرنا اور پھر بدمعاش سپاہیوں اور افسروں کے لئے ان سے قحبہ گری کی خدمت لینا وہ شیطانی کام ہے جس کے لئے کوئی گنجائش برائے نام بھی اسلامی تہذیب میں نہیں نکل سکتی۔

قومی فسادات کے سلسلہ میں ہمارا فرض

سوال :- گذشتہ دنوں یہاں کے متوقع فساد کے سلسلہ میں میں نے آپ سے جو سوالات کئے تھے ان کے جواب سے مجھے بڑی حد تک تو اطمینان ہو گیا مگر میرے ایک دوست نے چند مزید سوالات پیش کئے ہیں جو واقعی غور طلب ہیں۔ ہم ایک ہندو اسٹیٹ میں رہتے ہیں جہاں برطانوی ہند کے مقابلہ میں کتنی ہی زاید پابندیاں عائد ہیں۔ محض نماز روزہ کی آزادی ہے، اور یہ آزادی بھی برادران وطن کی نگاہوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہے۔ ان کو تو ہمارے نام سے نفرت ہے، اور جو مسلمان جتنا ہی زیادہ پابند شرع ہے وہ اتنا ہی زیادہ ان کے بغض کا مستحق ہے۔ ان حالات میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ "جماعت اسلامی کی پالیسی تو ایسے فسادات میں غیر جانبدار رہے گی اور وہ صرف مظلوم کو مظلوم اور ظالم کو ظالم کہے گی اور بوقت ضرورت بے لاگ گواہیاں دے گی"۔ تو کیا ہم اس وقت تک خاموش بیٹھے رہیں جب کہ ہمیں گواہی دینے کا موقع آئے؟ شہر میں فرقہ وارانہ فساد کے شعلے بھڑک اٹھیں اور ہم دیکھتے رہیں کہ کون کس پر ظلم کرتا ہے؟ پھر جو قوم صرف مسلمان کے نام کی دشمن ہے وہ ایسے مواقع پر کیونکر ہم پر ہاتھ اُٹھانے سے باز رہے گی کہ ہم فساد میں شریک نہیں ہیں اور صرف تماشہ بین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نیز اگر میرے کسی مسلمان پڑوسی پر غیر مسلموں نے ظالمانہ طور پر حملہ کر دیا تو اسلامی نقطۂ نظر سے میرے لئے یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ خاموش بیٹھا دیکھتا رہوں اور اس کی جان بچانے کے لئے اپنی جان خطرہ میں نہ ڈال دوں؟

موصوف یہ سوال کرتے ہوئے بطور خود کتاب و سنت کی روشنی میں اس کے دو حل بتاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر ہم مقابلہ کی قوت رکھتے ہوں تب تو اپنی مدافعت کی خاطر ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ دوسرا یہ کہ چونکہ ہم اقلیت میں ہیں اس لئے ایسی جگہ ہجرت کر جائیں جہاں ہماری اکثریت ہو۔

امید ہے کہ آنجناب ان حالات میں ہماری مناسب رہنمائی فرمائیں گے۔ ادھر ریاست کے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ان میں پچاس فی صدی بالکل جاہل اور آبا پرست اور پچیس فی صدی نیم خواندہ مگر پکے پیر پرست، بقیہ پچیس فیصدی تعلیم یافتہ مگر ان میں سے بیس علم دین سے کورے اور خانقاہیت سے متاثر اور باقی پانچ دنیا کے بندے۔

جواب ۔ آپ نے ریاست گوالیار کے مسلمانوں کی جو حالت لکھی ہے اس کو پڑھ کر افسوس ہوا، لیکن افسوس کرنے سے وہ حق ادا نہیں ہوتا جو ہم پر اور آپ پر عاید ہوتا ہے۔ بندگان خدا جس قدر زیادہ گمراہی اور اخلاقی پستی میں مبتلا ہوں اسی قدر زیادہ شدت کے ساتھ ایک مومن پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ان کی اصلاح کے لئے کوشش کرے۔

آپ نے جن صاحب کا سوال نقل کیا ہے ان کی خدمت میں میری طرف سے عرض کر دیجئے کہ اگر سوال محض بیٹھنے اور تماشہ دیکھنے کا ہوتا تو یقیناً میرا جواب کچھ اور ہوتا۔ میں نے جو جواب اس سے پہلے متوقع فساد کے سلسلہ میں دیا تھا وہ دراصل ان لوگوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیا تھا جو جماعت اسلامی سے تعلق رکھتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ جماعت اسلامی محض بیٹھ کر تماشہ دیکھنے کے لئے نہیں بنی ہے۔ اس جماعت کے لوگوں کا فرض یہ ہے کہ دنیا میں خیر و عدل کا نظام قائم کرنے کے لئے جدو جہد کریں۔ اس جدو جہد میں ان کا قومی نفسانیتوں اور قومیت کے جھگڑوں سے الگ رہ کر خالص حق کے حامی و داعی کی حیثیت سے کام کرنا ضروری ہے۔ بلاشبہ عامۂ مسلمین کے ساتھ ان کا قومی تعلق ضرور ہے اور اگر عام مسلمانوں اور ان کے غیر مسلم ہمسایوں کے درمیان فی الواقع دین کی بنا پر لڑائی ہو تو اس سے الگ رہنے کے کوئی معنی نہیں ہیں، لیکن افسوس ہے کہ نہ مسلمان دین کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور نہ وہ کشمکش، جو ان کے اور غیر مسلموں کے درمیان برپا ہے، اس کی بنیاد یا اس کا مقصود دین ہے، اس لئے ہم اس کشمکش میں مسلمانوں کے مبتلا ہونے اور مظلوم یا ظالم بننے پر افسوس تو کر سکتے ہیں لیکن اس میں ان کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اور یہ ساتھ نہ دینا بھی ایسی صورت میں حق بجانب نہیں قرار دیا جا سکتا کہ ہم محض تماشہ بین ہونے کی حیثیت سے بیٹھے دیکھتے رہیں، بلکہ یہ اسی صورت میں حق بجانب ہو سکتا ہے کہ ہم مسلمانوں اور ہندوؤں اور دوسرے تمام گروہوں کو خیر اور عدل کی دعوت دیتے رہیں اور خود اپنے طرز عمل سے ثابت کرتے رہیں کہ فی الواقع نظام خیر و عدل کے قیام کے سوا کوئی غرض ہمارے پیش نظر نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں ایک شبہ اور باقی رہتا ہے، جس کو صاف کرنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ ہم خواہ کتنے ہی انصاف کے ساتھ غیر جانبدار بنیں لیکن جب تک ہمارے نام، لباس اور معاشرت دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مشترک ہیں، یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم خود بھی ان مظالم کے اندر رہ کر بے انصافیوں کے تختۂ مشق بننے سے بچ جائیں جو کسی مقام کی غیر مسلم اکثریت غلبہ پانے کی صورت میں عام مسلمانوں پر کر رہی ہو؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اگر آپ کسی مقصد عظیم کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں تو اس جدوجہد کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنی تمام قوتوں کو صرف اسی ایک مقصد کی خدمت کے لئے وقف رکھیں اور کوئی ایسا کام نہ کریں جو اس مقصد کو نقصان پہنچانے والا ہو۔ اس طرز عمل پر ثابت قدمی کے ساتھ قائم رہنے میں جو خطرات اور نقصانات بھی ہوں بہرحال ان کو برداشت کرنا چاہیئے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مسلمان کے لئے اس کے تحفظ کی کوئی گارنٹی اس کے اپنے اخلاق کے سوا نہیں ہے۔ عام مسلمانوں نے اپنے آپ کو اس وقت جس حالت میں مبتلا کر لیا ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے دین کے لئے جینا اور مرنا چھوڑ دیا ہے اور ان اخلاق فاضلہ سے بھی کنارہ کشی کر لی ہے جو اہل ایمان کے امتیازی اخلاق تھے۔ اسی چیز نے ان کو کمزور بھی کیا اور ان کے وقار کو بھی صدمہ پہنچایا۔ اب اگر اس حالت سے آپ نکل سکتے ہیں تو اس طرح نہیں کہ انہی غلطیوں میں اور انہی کے نتائج میں الجھتے چلے جائیں جو اب تک ہوتی رہی ہیں بلکہ صرف اس طرح نکل سکتے ہیں کہ جس جس مسلمان کو بھی ہوش آتا جائے وہ نفسانیت اور دنیا پرستی سے بالاتر ہو کر دعوت الی الخیر کو اپنا مشغلہ زندگی بناتا جائے اور ان اخلاق فاضلہ سے اپنے آپ کو سنوارے جو داعیان حق کے شایان شان ہو۔ جو شخص بھی ایسا کرے گا وہ اپنے گرد و پیش کے سارے انسانوں پر، خواہ وہ کسی مذہب وملت سے تعلق رکھتے ہوں، اپنا ایسا اخلاقی وقار قائم کر دے گا جو کسی پولیس اور فوج کی مدد سے قائم نہیں ہو سکتا۔ آپ کہتے ہیں کہ ہم ہندو ریاست میں ہیں اور قلیل التعداد ہیں اور وہاں مسلمانوں کے لئے کوئی عزت اور امن نہیں ہے، لیکن کیا آپ بھول گئے ہیں کہ اب سے آٹھ نو سو برس پہلے خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ اجمیر کی ہندو ریاست میں جب آکر مقیم ہوئے تھے تو حالات اس سے بہتر تھے یا بدتر؟ اور اس وقت کس چیز نے ان کی حفاظت کی تھی؟

میرے برادران دینی خواہ میری بات سنیں یا نہ سنیں مگر میں تو یہی کہتا رہوں گا کہ تمہارے لیے اب اس کے سوا کسی چیز میں خیریت نہیں ہے کہ سچے مسلمان بنو اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے تمہارا جو فرض ہو اسے ادا کرو۔

دارالکفر میں سود خواری

سوال:۔ ایک متدین بزرگ جو ایک یونیورسٹی میں دینیات کے پروفیسر بھی ہیں اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"جو تاجر یا زمیندار گورنمنٹ کو ٹیکس یا لگان دے رہے ہیں، اگر وہ ڈاک خانہ یا امپیریل بنک میں روپیہ جمع کر کے گورنمنٹ سے سود وصول کریں تو ان کو بقدر اپنے ادا کردہ ٹیکس و لگان کے گورنمنٹ سے سود لینا جائز ہے۔"

ایک دوسرے مشہور و معروف عالم دین اس سے آگے قدم رکھ کے فرماتے ہیں:۔

"قرآن، حدیث، اجماع، قیاس، الغرض کسی بھی شرعی دلیل سے حربی کے اموال کی عدم اباحت کا ثبوت کوئی صاحب پیش کر سکتے ہوں تو کریں ...... افسوس کہ علمائے اسلام نے اس قیمتی نقطۂ نظر پر ٹھنڈے دل سے غور نہیں کیا، ورنہ ادھر ڈیڑھ سو سال میں مسلمان جن معاشی وقتوں میں مبتلا ہو گئے، غالباً یہ صورتِ حالات نہ ہوتی۔ ملک کے باشندوں کا ایک طبقہ سود لیتا رہا اور دوسرا طبقہ سود دیتا رہا، اس کی وجہ سے جو معاشی عدم توازن اس ملک میں پیدا ہو گیا ہے اس کی ذمہ داری اسلام پر نہیں، بلکہ زیادہ تر علماء پر اس لئے ہے کہ ان کے معاشی نظام میں اس صورت کا علاج موجود تھا لیکن انہوں نے ایک جزو پر عمل کیا اور دوسرے کو ترک کر دیا۔"

علماء کرام کی ان بحثوں نے ہم کو اس تذبذب میں ڈال دیا ہے کہ سود سے اجتناب کی جس روش پر ہم اب تک قائم ہیں کہیں وہ غلط تو نہیں ہے۔ یہ تو عجیب معاملہ ہوگا کہ ایک طرف تو ہم آخرت ہی کے اجر کی امید پر دنیا میں نقصان اٹھائیں اور دوسری طرف آخرت میں جا کر ہم کو یہ جواب مل جائے کہ تمہارا سود سے اجتناب کسی شرعی حکم کے مطابق نہ تھا لہٰذا تم کسی اجر کے مستحق نہیں ہو۔

جواب:۔ سود کی حرمت قرآن اور حدیث کی قطعی نصوص سے بالتصریح ثابت ہے، فقہ کی کوئی اصطلاحی بحث ان نصوص کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا آپ اطمینان رکھیں کہ علماء کے ان ارشادات کے باوجود آخرت میں آپ کا اجر محفوظ ہے۔

قانون کی پیچیدہ بحثوں سے قطع نظر کر کے اگر ہم ایک سیدھے سادھے مسلمان کے نقطۂ نظر سے اس مسئلے کو دیکھیں تو بداہۃً یہ بات ہماری سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا کام دین و اخلاق اور تمدن و تہذیب کے ان اصولوں کی علمبرداری کرنا ہے جنہیں خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت میں حق کہا گیا ہے، اور دنیا سے ان خیالات اور طریقوں کو مٹانے کی کوشش کرنا ہے جنہیں قرآن اور سنت نے باطل ٹھیرایا ہے۔ جس سرزمین میں باطل کا غلبہ ہو اور احکام کفر جاری ہو رہے ہوں وہاں ہمارا کام باطل کے طریقوں کو اختیار کر لینا نہیں ہے بلکہ ہمارا اصلی منصب یہ ہے کہ ہم وہاں رہ کر قرآن کے قانونِ حیات کی تبلیغ کریں اور نظام کفر کی جگہ نظام اسلامی قائم کرنے کے لئے ساعی ہوں۔ اب غور کیجئے کہ اگر ہم خود سود کھائیں گے تو کفار کی سود خواری کے خلاف آواز کس منہ سے اٹھائیں گے؟ کفار اگر ناجائز طریقوں سے ہمارے اموال لے رہے ہیں یا حکومتِ کفر ہمارے اموال سے اگر بلا استحقاق (یعنی خدا کی سند پر مبنی حق کے بغیر) کوئی حصہ لے اڑتی ہے تو ہمارے لئے یہ کیسے روا ہو سکتا ہے کہ ہم ان اموال کو واپس لینے کے لئے ویسی ہی ناجائز کارروائیاں کرنے لگیں اور کسب حرام کو اپنا حق واپس لینے کا ذریعہ بنائیں۔ اس طرح تو سود خواری کے ساتھ شراب فروشی، مزامیر سازی، فحش فلم بنانا، عصمت فروشی، کاروبار رقص و سرود، بت تراشی، فحش نگاری، سٹہ بازی، جوئے بازی اور سارے ہی حرام کاموں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ پھر یہ فرمائیے کہ ہم میں اور کفار میں وہ کونسا اخلاقی فرق باقی رہ جاتا ہے جس کے بل پر ہم دار الکفر کو دار الاسلام میں تبدیل کرنے کی جدو جہد کر سکیں؟

اصل میں مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ حکومتِ کفر کے آئین کی رو سے تو یقیناً آپ یہ سارے ڈھنگ اختیار کرنے میں حق بجانب ہیں، لیکن شریعت اسلام کی رو سے آپ پر یہ سب حرام ہیں۔ اگر آپ شریعتِ اسلام کے پیرو ہیں تو آپ حکومتِ کفر کے آئین کی ڈھیل سے فائدہ اٹھانے کا حق نہیں رکھتے۔ اور اگر آپ ایک طرف دنیا کو شریعتِ اسلام کی دعوت دیتے ہیں اور دوسری طرف کچھ فائدوں کے لئے یا کچھ نقصانات سے بچنے کے لئے حرام خوری کی اُن گنجائشوں سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں جو آئینِ کفر نے دی ہیں مگر آئینِ اسلام نے جن کی سخت مذمت کی ہے تو چاہے فقیہ شہر آپ کے اس طرز عمل کے جواز کا فتویٰ دے دے، لیکن عام انسانی رائے اتنی بے وقوف نہیں ہے کہ پھر بھی وہ آپ کی تبلیغ کا کوئی اخلاقی اثر قبول کرے گی۔

حقیقۃً اس طرز فکر کو فقہ اسلامی میں استعمال کرنا ہی غلط ہے کہ مسلمانوں کو فلاں تکلیف اور فلاں نقصان جو

حکومتِ کفر کے تحت رہتے ہوئے پہنچ رہا ہے، اسے روکنے کے لئے نظام باطل ہی کے اندر کچھ "شرعی" وسائل پیدا کئے جائیں۔ یہ طریقِ فکر مسلمانوں کو بدلنے کے بجائے اسلام کو بدلتا ہے، یعنی تجدید دین کی جگہ تجدد کا دروازہ کھولتا ہے جو نظام دینی کے لئے حد درجہ تباہ کن ہے، اور افسوس یہ ہے کہ غلبۂ کفر کے زمانہ میں فتویٰ نویسی کچھ اسی راہ پر چلتی رہی ہے جس نے مسلمانوں کو نظام باطل کے تحت رضا و اطمینان سے زندگی بسر کرنے کا خوگر بنا دیا ہے۔ ہم اس طرزِ فکر کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتے، چاہے کتنے ہی بڑے بڑے علما اس کے حامی ہوں۔ نظام باطل کے تحت مسلمانوں کے لئے تکلیف اور نقصان کے سوا اور ہو ہی کیا سکتا ہے؟ اس تکلیف اور نقصان کا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ مسلمان نظام طاغوت کو ختم کرنے کے لئے جہاد کی فکر کریں، نہ یہ کہ کفر کے زیر سایہ کسی قدر سہولت سے جینے کے لئے شریعت کو موافقِ حال بنائیں۔

چند کاروباری مسائل

سوال:۔ ایک تاجر اپنے کاروبار میں پوری طرح راست باز اور دیانت دار ہے اور احکام شریعت کی پابندی کرتا ہے۔ سامانِ تجارت اسے کنٹرول ریٹ پر حاصل ہوتا ہے، لیکن بازار میں چور بازاری کی وجہ سے بعض اشیاء کی قیمتیں بہت چڑھی ہوئی ہیں، اس صورت میں کیا وہ مروجہ نرخ پر اپنا مال فروخت کرنے کا حق رکھتا ہے؟

جواب:۔ کنٹرول ریٹ سے خریدا ہوا مال کنٹرول ریٹ پر ہی بیچنا چاہیئے۔ کنٹرول ریٹ پر خرید کر بلیک مارکیٹ میں مال فروخت کرنا تو ان لوگوں کا کام ہے جن کے اندر نفع اندوزی کی حرص کے سوا اور کوئی شریفانہ جذبہ باقی نہیں رہا۔ البتہ اضطراراً وہ چھوٹے تاجر ایک حد تک بلیک مارکیٹنگ کرنے کی گنجائش رکھتے ہیں جنہیں مالِ تجارت ملتا ہی بلیک مارکیٹ سے ہو اور کنٹرول ریٹ پر حاصل ہونا ناممکن ہو جائے، نیز انہیں کوئی دوسرا مشغلہ یا پیشہ اختیار کرنے کی بھی استطاعت نہ ہو۔

سوال:۔ اگر کوئی دوکاندار اس اصول پر عمل پیرا ہو کہ وہ نقد خریدنے والے گاہک سے اشیا کی کم قیمت لے اور ادھار لینے والے سے زیادہ تو کیا وہ سود خواری کا مرتکب ہوگا۔ ایک دوسری صورت یہ بھی ہوتی

ہے کہ فروخت پر کچھ معمولی سا کمیشن رکھا جاتا ہے، مثلاً ایک پیسہ فی روپیہ، اور یہ صرف نقد خریداری کی صورت میں گاہک کو ادا کیا جاتا ہے۔ اس کی حیثیت کیا ہے؟

جواب: پہلی صورت تو صریحاً سود کی ہے۔ رہی دوسری شکل تو اگرچہ اصطلاحاً یہ سود کی تعریف میں نہیں آتی، لیکن اس کے اندر روح تو سود ہی کی موجود ہے۔ فقہ کی زبان میں یہ ربوٰا نہیں ہے مگر "ربیہ" ضرور ہے اور ربیہ بھی پرہیز کے لائق چیز ہے۔

سوال: ہمارے شہر میں اور عام طور پر ملک بھر میں ارباب تجارت کا طریق کار یہ ہے کہ باہر سے آنے والے مال کو چنگی سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اول تو چوری چھپے مال دکان پر پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے، یہ نہ ہو سکے تو محرر چونگی کو کچھ دے دلا کر کام چلاتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کم مال ظاہر کرنے والے نقلی بیجک بنا کر اس کے مطابق کم چونگی ادا کرتے ہیں اور دکان کے رجسٹروں میں اسی نقلی بیجک کے مطابق اندراجات کرتے ہیں۔ وہ مال رجسٹروں میں دکھایا ہی نہیں جاتا جس پر چونگی ادا نہ کی گئی ہو۔ اس طرح مال کی آمد بکری اور منافع سبھی واقعی سے کم دکھائے جاتے ہیں۔ کیا یہ طریقے جائز ہیں؟

جواب: معاملہ کی اس پوری شکل کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ موجودہ نظام حکومت کے عائد کئے ہوئے ٹیکس، بجائے خود ناجائز ہیں اور ناروا اغراض کے لئے استعمال ہوتے ہیں، لیکن اس استحصالِ ناجائز سے بچنے کے لئے جھوٹ اور جعل و فریب اور رشوت کے ہتھیار استعمال کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے اس طرح اپنے مال کو تو بچایا جا سکتا ہے لیکن متاعِ اخلاق برباد ہو جائے گی اور اندیشہ ہے کہ رفتہ رفتہ لوگوں کے اندر وہ اخلاقی حس ہی مفقود ہونی شروع ہو جائے گی جو انسان کو اپنے معاملات میں صداقت و دیانت سے کام لینے پر آمادہ کرتی ہے۔

سوال: ریلوے اسٹیشنوں سے جب مال کی بلٹیاں چھڑوانے جاتے ہیں تو ریلوے کے کلرک رشوت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جسے اگر رد کیا جائے تو طرح طرح سے نقصان اور تکلیف پہنچاتے ہیں۔ ایسے حالات میں ایک مومن تاجر کیا کرے؟

جواب: عجیب معاملہ ہے کہ یہ لوگ جب حکومت سے اپنی تنخواہیں اور الاؤنس بڑھوانے کے لئے ہڑتالیں

کرتے ہیں تو پبلک کی ہمدردی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور جب اُدھر سے اپنا کام نکال لیتے ہیں تو اسی پبلک کو طرح طرح سے پریشان کر کے اس کی جیبوں پر ڈاکے ڈالتے ہیں۔ درحقیقت یہ نہایت ضروری ہے کہ ان لوگوں کو صاف صاف متنبہ کر دیا جائے کہ اگر تم پبلک کے ساتھ ایماندارانہ رویہ اختیار نہ کرو گے تو اپنے مطالبات میں پبلک سے کسی ہمدردی کی توقع نہ رکھو۔

رہا نفس سوال تو اس کے متعلق پہلے بھی میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ حکومت کے ملازموں سے ناروا فائدے اٹھانے کے لئے ان کو رشوت دینا تو قطعی حرام ہے، لیکن اگر اپنے جائز حقوق بھی آپ ان کو رشوت دیئے بغیر نہ حاصل کر سکیں، اور ان کا نقصان بھی آپ کے لئے قابل برداشت نہ ہو، نیز اس قسم کے رشوت خور ملازموں کی شکایت ان کے افسروں سے کرنے کا بھی موقع نہ ہو یا اس سے کوئی نتیجہ نکلنے کی توقع نہ ہو، تو مجبوراً ان کو رشوت دیجئے اور ہمیشہ ان کو نصیحت کرتے رہیئے کہ یہ حرام خوری ہے جو تم کر رہے ہو اور تمہارا اپنا بھلا اسی میں ہے کہ تم اس سے بچو!

سوال:۔ آڑھت کی شرعی پوزیشن کیا ہے؟ آڑھتی کے پاس دو قسم کے بیوپاری آتے ہیں۔ پہلی قسم کے بیوپاری اپنے سرمایہ سے کوئی جنس خرید کراتے ہیں اور آڑھتی کی وساطت سے فروخت کرتے ہیں۔ دوسری قسم کے بیوپاری وہ ہوتے ہیں جو کچھ معمولی سا سرمایہ اپنا لگاتے ہیں اور بقیہ آڑھتی سے اس شرط پر قرض لیتے ہیں کہ اپنا خریدا ہوا مال اسی آڑھتی کے ہاتھ فروخت کریں گے اور بوقت فروخت مال آڑھتی کا روپیہ بھی ادا کر دیں گے۔ آڑھتی پہلی قسم کے بیوپاریوں سے اگر ایک پیسہ فی روپیہ کمیشن لیتا ہے تو اس دوسری قسم کے بیوپاریوں سے دو پیسہ فی روپیہ لے گا۔ یہ صورت حرام ہے یا جائز؟

جواب:۔ یہ فرق جو آڑھتی اپنے کمیشن میں رکھتا ہے، غلط ہے۔ قرض لینے والے سے دو پیسہ اور قرض نہ لینے والے سے ایک پیسہ فی روپیہ آڑھت لینا تو ربوا کی تعریف میں آجاتا ہے۔ چاہیئے یہ کہ قرض کا معاملہ الگ رہے اور مال کی فروخت کے لئے ایجنٹ کی حیثیت سے کمیشن لینا بالکل الگ ہے۔ البتہ یہ پابندی جائز ہو سکتی ہے کہ مارکیٹ ریٹ پر بیوپاری اپنا مال خاص اسی آڑھتی کے ہاتھ لاکر فروخت کیا کرے جس کے روپیہ سے وہ کاروبار چلا رہا ہے۔

سوال :- آڑھتی بائع اور خریدار سے کمیشن لینے کے علاوہ ایک حرکت یہ بھی کرتا ہے کہ مال کا سودا ہو جانے کے بعد اس میں سے کچھ مقدار "چونگی" کے نام سے لے لیتا ہے، مثلاً پھل ہوں تو ان میں سے چند دانے لے لیگا اور سبزی ہو تو اس میں اپنا حصہ لگائے گا۔ اس چونگی کی حیثیت کیا ہے ؟

جواب :- یہ چھنگی لینا آڑھتی کی زیادتی ہے۔ وہ جب اپنا طے شدہ کمیشن لے چکا تو اب اسے اور کچھ لینے کا حق نہیں۔ حقیقت میں یہ "دست درازی" ہے جس کا ایک معصوم نام "چھنگی" رکھ لیا گیا ہے۔

سوال :- میں جماعت اسلامی کا لٹریچر پڑھ کر اس سے کافی متاثر ہوں، ذہن کا سانچہ بدل چکا ہے اور یہ سانچہ موجودہ ماحول کے ساتھ کسی طرح سازگار نہیں ہو رہا۔ مثلاً ایک اہم الجھن کو لیجئے۔ ہمارا آبائی پیشہ زمینداری ہے اور والد صاحب نے مجھے اسی پر مامور کر دیا ہے۔ زمینداری کا عدالت اور پولیس وغیرہ سے چولی دامن کا ساتھ ہو گیا ہے۔ عدالت اور پولیس سے بے تعلقی کا اظہار زمیندار کی کامل معاشی موت ہے حد یہ کہ عدالت اور پولیس کی پشت پناہی سے بے نیاز ہوتے ہی خود اپنے ملازمین اور مزارعین پر زمیندار کا کوئی اثر نہیں رہ جاتا۔ خود پولیس جب یہ دیکھتی ہے کہ کوئی زمیندار اس کی "بالائی آمدنی" میں حائل ہو رہا ہے تو وہ اسی کے مزارعین اور ملازمین کو اکسا کر اس کے مقابلہ پر لاتی ہے۔ اسی طرح عدالت کا ہوا جہاں کارندوں کے سامنے سے ہٹا، پھر ان کو ضمیر کی آواز کے سوا کوئی چیز فرائض پر متوجہ نہیں رکھ سکتی اور حال یہ ہے کہ ان لوگوں کے لئے مادی فائدہ سے بڑھ کر کسی شے میں اپیل نہیں ہے۔ مزید وضاحت کے لئے ایک مثال کافی ہو گی۔ ہمارے یہاں دستور تھا کہ کارندوں کے کام میں نقص رہے یا وہ کسی قسم کا نقصان کر دیں تو ان سے تاوان وصول کیا جاتا تھا۔ ہم نے یہ تاوان وصول کرنا بند کر دیا کیونکہ پولیس کی مدد کے بغیر یہ سلسلہ چل نہیں سکتا۔ روش کی اس تبدیلی کے ساتھ معاً کاشتکاروں نے نقصان کرنا شروع کر دیا اور کارندوں نے بھی جرمانہ کی رقم میں سے جو حصہ ملتا تھا اس سے مایوس ہو کر چشم پوشی اختیار کی۔ اب حالات اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ میں زمینداری کو سرے سے ختم کرنے کا فیصلہ کرنے پر مجبور ہو رہا ہوں۔ آپ کی رائے میں چارۂ کار کیا ہے ؟

جواب :- زمینداری میں پولیس اور عدالت سے تعلق رکھنے کی جو ضرورت اس کافرانہ نظام میں پیدا ہو گئی ہے اس سے ہم ناواقف نہیں ہیں اور ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ قانون کی حدود سے بے نیاز ہو کر ایک زمیندار کو کتنا نقصان پہنچ

سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم یہ کہتے ہیں کہ جس شخص کو دعوتِ اسلامی کا کام کرنا ہو اسے اپنے جملہ معاملات قانون کے سہارے کے بجائے اخلاقی بنیادوں پر قائم کرنے چاہئیں اور اس سلسلہ میں جو نقصانات بھی پہنچیں انہیں برداشت کرنا چاہئیں۔ اب یہ فیصلہ کرنا آپ کا اپنا کام ہے کہ آیا آپ دعوتِ اسلامی کا کام کریں یا قانون کے سہارے زمینداری چلائیں بہرحال یہ دونوں کام ایک ساتھ نہیں نبھ سکتے۔ جن لوگوں پر آپ پولیس اور عدالت کے ذریعے سے اپنی زمینداری کا زور چلائیں گے وہ آپ کے اخلاقی اثر سے کبھی متاثر نہیں ہو سکتے اور نہ آپ کی اس دعوت میں کوئی صداقت محسوس کر سکتے ہیں کہ حکم صرف اللہ کے لئے ہے اور قانون صرف خدا کا چلنا چاہئیے۔

سوال:- کیا بچوں کے کھیل کا سامان، مثلاً چینی کی گولیاں، تاش، بڑی کی چڑیاں اور لڑکیوں کے لئے گڑیاں وغیرہ فروخت کرنا جائز ہے، نیز ہندوؤں کی ضرورت کی گڑیاں بھی کیا بیچی جاسکتی ہیں؟

جواب:- بچوں کے کھلونے بیچنا فی الجملہ تو ناجائز نہیں ہے الا یہ کہ کسی خاص کھلونے یا کھیل کے سامان میں کوئی شرعی قباحت ہو۔ رہے جانوروں اور آدمیوں کے مجسمے تو ان کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ پوری باریکی سے تمام خدوخال کے ساتھ انہیں بنایا گیا ہو، دوسرے یہ کہ محض ایک سرسری سا ڈھانچہ کسی جاندار کا ہو۔ جیسے لکڑی کے گھوڑے اور کپڑے کی گڑیاں۔ پہلی قسم کے مجسموں کی فروخت جائز نہیں ہے اور دوسری قسم کے کھلونے آپ بیچ سکتے ہیں۔ ہندوؤں کی ضرورت کی گڑیاں اگر مشرکانہ تخیلات کی نمائندہ ہوں، مثلاً کرشن جی کی مورتی یا رام چندر کا مجسمہ وغیرہ تو ان کی فروخت حرام ہے۔

سوال:- اشتہار کے لئے کیلنڈروں وغیرہ پر آج کل عورتوں کی تصاویر بنانے کا بہت رواج ہے، نیز بعض مشہور شخصیتوں اور قومی ہیروؤں کی تصاویر بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ علاوہ بریں مختلف تجارتی اشیاء کے ڈبوں اور بوتلوں اور لفافوں پر بھی تصاویر چھاپی جاتی ہیں۔ ان مختلف صورتوں سے ایک مسلمان تاجر اپنا دامن کیسے بچا سکتا ہے؟

جواب:- اگر کوئی اشتہار یا کیلنڈر خود آپ چھپوائیں تو اسے تصویر سے پاک رکھیں۔ اور ضرورتاً اگر آپ کو کیلنڈروں وغیرہ کا استعمال کرنا پڑے تو اول تو بے تصویر لیجئے، ورنہ تصاویر کو چھپا دیجئے یا مسخ کر دیجئے۔ لیکن ڈبوں اور بوتلوں اور لفافوں پر آپ کہاں تک تصاویر کو مٹا سکتے ہیں۔ موجودہ تصویر پرست دنیا نے قسم کھالی ہے کہ کسی

چیز کو تصویر سے خالی نہ چھوڑے گی۔ ڈاک کے ٹکٹوں اور سکوں تک پر تصاویر موجود ہیں۔ یہ ہمہ گیر نظام طاغوت اپنی ناپاکیوں اور غلاظتوں کو جڑ سے لے کر شاخوں اور پتوں تک پھیلاتا چلا جا رہا ہے۔ بس اپنی حد امکان تک اپنا دامن بچائیے اور اس حد سے آگے جو کچھ ہے اس سے اپنے آپ کو اور دنیا کو بچانے کے لئے یہ سعی کیجئے کہ نظام باطل کا تسلط ختم ہو اور نظام حق کا اقتدار جمے۔ اس کی جڑ کٹے گی تو شاخیں آپ ہی جھڑ جائیں گی۔

سوال: ہر گاؤں میں عموماً ایک لوہار اور ایک بڑھئی ضرور ہوتا ہے۔ ان لوگوں سے زمیندار کام لیتے ہیں اور معاوضہ نقد ادا نہیں کرتے، نہ تنخواہ دیتے ہیں، بلکہ فصل کے فصل ایک مقررہ مقدار غلہ کی انہیں دیدی جاتی ہے۔ اس صورت معاملہ کو "سیپ" کہا جاتا ہے۔ زمیندار لوگ جب کبھی لوہے یا لکڑی کا کوئی سامان خریدنا چاہتے ہیں تو اپنے لوہار یا بڑھئی کو اپنے ساتھ شہر لے جاتے ہیں تاکہ وہ اچھا مال خرید وا دے۔ یہ لوہار یا بڑھئی بعض کارخانوں اور دکانوں سے خاص تعلق رکھتے ہیں اور وہاں سے سامان خرید واتے ہیں اور ہوتا یوں ہے کہ یہ لوگ دکان پر جاتے ہی آنکھوں کے اشاروں سے دلالی کی فیس دکاندار سے طے کر لیتے ہیں جس سے زمیندار بے خبر رہتا ہے۔ اگر دکاندار لوہار یا بڑھئی کی دلالی کا کمیشن ادا نہ کرے تو پھر وہ کبھی بھی اپنے زمینداروں کو اس کی دکان پر نہ لائے گا بلکہ کسی دوسری جگہ ساز باز کرے گا۔ اور جو دکاندار ان کا کمیشن دینے پر راضی ہو وہ خراب مال بھی اگر دکھائے تو یہ خاص قسم کے دلال اس کی تعریف کریں گے اور اسے بکوانے کی کوشش کریں گے۔ یہ سازش اگر زمیندار پر آشکارا ہو جائے تو وہ اپنے بڑھئی یا لوہار کو ایک دن بھی گاؤں میں نہ رہنے دے۔ یہ صورت معاملہ کیسی ہے؟

جواب: "سیپ" معاملہ کی ایک ایسی شکل ہے جو دیہاتی زندگی میں "معروف" کی حیثیت پیدا کر چکی ہے، اس لئے اسے ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اس میں بیگار کا عنصر شامل نہ ہونے پائے، یعنی فی الواقع جن لوگوں سے جتنی خدمت لی جائے ان کو اس کا مناسب معاوضہ ادا کیا جائے۔ مقررہ خدمات سے زائد کوئی کام لینا ہو تو اس کا حق الگ اسے دینا چاہیئے۔ محض زمینداری کی دھونس میں لوگوں سے بے جا خدمت لینا ظلم ہے۔

دلالی کی جو شکل آپ نے لکھی ہے اس کے ناجائز ہونے میں تو کوئی کلام نہیں ہو سکتا، مگر واقعہ یہ ہے

کہ یہ دراصل زمینداروں کی زیادتی کا نتیجہ ہے۔ پیشہ ور لوگ محض ان کے دباؤ سے مجبوراً اپنے کام کاج کا ہرج کرکے ان کے ساتھ مال خریدوانے جاتے ہیں اور اس کا معاوضہ دکانداروں سے گویا اس قرارداد پر وصول کرتے ہیں کہ اگر تم ہمیں کمیشن دیتے رہو گے تو ہم تمہارا مال بھی ان زمینداروں کے ہاتھ بکوا دیں گے۔ اس طرح یہ مال فروخت کرانے والا، اور دکاندار، اور ان کے ساتھ زمیندار بھی، تینوں ایک ایک قسم کے اخلاقی جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اگر زمیندار ان لوگوں سے مفت کی خدمت لینا چھوڑ دیں اور انصاف کے ساتھ ان کا حق المحنت انہیں دیا کریں تو یہ بداخلاقی رونما نہ ہو

سوال:- چمڑے کے کاروبار میں کروم ایک ایسی چیز ہے جس پر فٹ کی پیمائش کا اندراج بہت غلط ہوتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ مال کلکتہ میں تیار ہوتا ہے۔ مال تیار کرنے والے ہر تھان پر اصل پیمائش سے زائد فٹ لکھ دیتے ہیں مثلاً دس فٹ کے تھان کو بارہ فٹ ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے بعد کلکتہ کے تاجر یہ مال خریدتے ہیں اور یہ کچھ اور فٹ بڑھا دیتے ہیں۔ اسکے بعد جب باہر کے تاجر اُن سے مال خریدنے جاتے ہیں تو پھر وہ مزید فٹ بڑھاتے ہیں۔ یہاں آکر تھان پر فٹوں کا پکا اندراج ہو جاتا ہے اور پھر آخر تک یہی اندراج قائم رہتا ہے۔ صحیح فٹ والا مال مارکیٹ میں نہیں ملتا، تقریباً سبھی کارخانے اور تاجر یہی کچا فٹ استعمال کرتے ہیں۔ عام طور پر گاہک اس صورتِ حال سے آگاہ ہوتے ہیں اور اس وجہ سے ہم پیمائش کی اس گڑبڑ کے متعلق کوئی توضیح نہیں کرتے۔ لیکن اگر کوئی گاہک پوچھے تو اسے صاف بتا دیتے ہیں کہ اس مال پر کچے (یعنی غلط) فٹوں کا نمبر لگا ہوا ہے ہم اسی کچے فٹ کے حساب سے خریدتے ہیں اور اسی کے حساب سے منافع لگا کر فروخت کرتے ہیں۔ مثلاً ایک کچا فٹ اگر ۱۲ ر میں آتا ہے تو ہم ایک کچے فٹ کے ۱۲ ر لگائیں گے۔ شرعاً ایسے کاروبار کی کیا حیثیت ہے۔

جواب:- تجارت میں جو چیز معروف ہو، یعنی دکاندار اور خریدار سب اس بات سے واقف ہوں کہ کچے اور پکے اوزان یا پیمانوں میں کیا فرق ہے اور کونسی چیز پکے پیمانوں کے حساب سے ملتی ہے اور کونسی کچے پیمانوں کے حساب سے تو اس صورت میں یہ معاملہ جائز شمار ہو گا۔ لیکن یہ کوئی اچھا طریقہ نہیں ہے کہ گوناگوں اوزان اور پیمانے رائج رہیں۔ اس سے ناواقف لوگ نقصان اٹھاتے ہیں۔ ایک اچھے نظامِ حکومت کا فرض ہے کہ وہ تجارت کو ان "اسرارِ نہاں" سے پاک کرے۔